© rasailojaraid.com

ترجمہ وتلخیص

امام ابن تیمیہؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے خیالات کا تقابلی مطالعہ*

(مقالہ نگار) شیخ محمد صفی اللہ ——— (مترجم) جناب ابوسفیان اصلاحی

حالات کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام میں ایسی تحریکیں اٹھتی رہی ہیں جنھوں نے اصلاح معاشرہ کا کام بڑے شد ومد سے انجام دیا۔ ایسی ہی ایک تحریک اٹھارھویں صدی میں اس وقت وجود میں آئی جب سلطنتِ عثمانیہ کا جھنڈا پورے عالم اسلام پر لہرا رہا تھا۔ اس تحریک کا آغاز محمد بن عبدالوہاب نے کیا تھا، یہ تحریک محمد بن عبدالوہاب پر امام تقی الدین ابن تیمیہ کے اثرات کا نتیجہ تھی، تحریک جزیرہ نمائے عرب سے شروع ہوئی[1]۔ اس نے عوام اور ارباب اقتدار کے قلادۂ تقلید کو اتار پھینکنے، اوہام پرستی بدعات اور غیر اسلامی طریقوں سے باز آجانے کی دعوت دی۔ انھیں ایسے سچے اور روحانی راستوں کی طرف بلایا جس کا سرا مذہب اسلام سے ملتا ہو، یہ تجدید واحیائے دین کا کام کرنے والی تحریک تھی جس نے توحید پر کافی زور دیا یہی وجہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیرو خود کو "موحدین" کہتے ہیں۔ جبکہ ان کے حریف صرف انھیں "وہابی" کے لقب سے موسوم کرتے ہیں[2] (یہ تحریک سلطنتِ عثمانیہ کے مذہبی اربابِ اقتدار سے بالکل الگ ہے) اس کا آغاز گو معاشرتی اور مذہبی نظریات کی اصلاح کے ساتھ ہوا تھا لیکن آخر میں سیاست بھی اس کے دائرے میں آگئی۔ اس کے پیروکار حکومتِ عثمانیہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوگئے، چنانچہ خلافت عثمانیہ کے اندر ہی حجاز میں ایک نئی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔

اس مضمون کے لکھنے کا خاص مقصد یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب اور ابن تیمیہ کے مابین جو

---

* یہ مضمون ہمدرد اسلامکس کراچی۔ پاکستان جلد ۸ شمارہ ۱ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا ہے۔ یہاں ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکری ہم آہنگی اور نظریاتی اشتراک ہے اسے اجاگر کیا جائے اور یہ واضح کیا جائے کہ کس طرح محمد بن عبدالوہاب نے اپنے مذہبی نظریات کے پیش نظر عہد وسطیٰ کی تفاسیر کی بالکلیہ تقلید پر سخت تنقید کی اور انفرادی معلوماتی تجزیے سے استفادہ پر زور دیا۔

دونوں مفکرین کے پس منظر اور افکار و خیالات کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دونوں ہی کا تعلق اس مذہبی خانوادے سے تھا جو فقہ کے مذاہب اربعہ میں سے امام حنبل کے پیروکار تھے[۳] تقی الدین ابن تیمیہ (۱۲۶۳ - ۱۳۲۸) شام کے علاقہ حرّان میں پیدا ہوئے، ان کے دادا اور پر دادا قرآن و حدیث کے بہت بڑے عالم تھے اور حنبلی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، ابن تیمیہ نے ان کے مذہبی و فکری اثرات قبول کیے۔ ان کے خیالات نے ابن تیمیہ کے اندر نہ صرف مذہبی جوش پیدا کیا بلکہ ان سے بعض اور چیزوں میں بھی مدد ملی۔ انھوں نے حدیث کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد فقہ اور اصول فقہ پر عبور حاصل کیا اسی طرح حساب، فلسفہ، تاریخ اور ادب میں بھی مہارت پیدا کی۔ ابن تیمیہ اپنے خاندانی پس منظر اور طبعی رجحان کی وجہ سے فقہ اور بالخصوص حنبلی اسکول کے مطالعہ کی طرف مائل ہوئے۔

ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل کی مسند کے ساتھ حدیث کے اور بھی مصادر و مآخذ سے استفادہ کیا۔ مسند امام حنبل فقہ اور اصول فقہ میں بصیرت پیدا کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئی اور وہ آگے چل کر ایک عظیم فقیہہ اور مشہور عالم دین کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔[۴] ابن تیمیہ ذہانت کے ساتھ ساتھ زبردست قوت حافظہ کے مالک تھے۔ یہ ان کے خاندان کا طرۂ امتیاز تھا انھوں نے حفظ قرآن کے بعد حدیث پر عبور حاصل کیا۔ ابن تیمیہ کی ذہنی بصیرت اور علمی صلاحیت نے انھیں تیرھویں صدی کی مسلم سوسائٹی میں ایک اہم مقام عطا کیا۔

منگولوں کے حملے کے بعد اسلامی علوم میں بہت سی غیر اسلامی چیزوں کی آمیزش ہوئی یہ وقت کے اثرات تھے اسی طرح یونانی فلسفہ، علم کلام، تصوف و اخلاق کا چلن مسلم معاشرہ میں عام تھا، ابن تیمیہ اس سے متاثر ہوئے وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ مسلم سماج کی تطہیر کے لیے ضروری ہے کہ اسے تقلید اور اوہام پرستی سے نجات دلائی جائے۔[۵] ابن تیمیہ کے خیال میں تمام برائیوں کی جڑ تقلید ہے۔ تقلید اصلاً صحابۂ کرام کی جانب رجوع سے ماخوذ ہے جو فقہی مذاہب میں رائج ہوئی، بعد میں یہ لفظ علماء کے آراء کو غیر مشروط طور پر قبول کے معنی میں مستعمل ہونے لگا۔ ابن تیمیہ نے تقلید کو مضبوط اور منطقی دلائل کے ذریعہ چیلنج کیا اور کہا کہ اس نے خدائی حاکمیت کی حقیقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نہ صرف یہ کہ ضعیف الاعتقادی تک پہنچادیا ہے بلکہ انفرادی اور معاشرتی تقاضوں کو پورا کرنے اور خدا کے منشا کی تکمیل سے فرار کے جذبہ کو پروان چڑھایا ہے۔[۶]

ابن تیمیہ کے چار سو چالیس سال بعد محمد بن عبدالوہاب (۱۷۰۳ - ۱۷۹۲ء) حجاز کی وادیٔ حنیفہ عینیہ میں پیدا ہوئے۔ حنبلی اسکول سے ان کے خاندان کے روایتی تعلق نے ان پر اپنے اثرات ڈالے، ابتدائی تعلیم کا آغاز ابن تیمیہ کے نقش قدم پر کیا۔ والد محترم کی زیر نگرانی درس حاصل کرتے رہے[۷] نوجوان اسکالر کی حیثیت سے مدینہ گئے، جہاں ایک دانشور محمد حیات کی سرپرستی میں حدیث کا مطالعہ کیا۔ جنھیں اس وقت مدینہ میں حدیث کا علمبردار کہا جاتا تھا، یہیں پر محمد بن عبدالوہاب نے احادیث کے مستند اساتذہ عبداللہ بن ابراہیم اور سلیمان الکردی سے بھی حدیث کا درس لیا۔[۸] ان اہم شخصیات نے نہ صرف حدیث کی تعلیم دی بلکہ ان کے اندر ایک ایسی روح پیدا کر دی جس کی وجہ سے تقلید کی خرابیوں اور اولیاء کرام اور ان کی مزاروں پر ہونے والے غلط رسوم کا سمجھنا ان کے لیے آسان ہوگیا۔ یہ رسوم اس وقت اسلامی معاشرہ میں جاری وساری تھے، محمد بن عبدالوہاب نہایت ذہین طالب علم تھے محمد حیات السندھی کے محبوب شاگرد تھے، گوکہ محمد بن عبدالوہاب کے اساتذہ کا تعلق حنفی اسکول سے تھا لیکن وہ حضرات محمد بن عبدالوہاب کے خیالات کو تبدیل نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ حدیث کا درس انھیں اس جذبہ کے ساتھ دے رہے تھے کہ ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے ان کی صلاحیتیں اجاگر ہوسکیں۔ اس طرح ان لوگوں نے اصلاح معاشرہ کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔[۹]

محمد بن عبدالوہاب نے اپنے علم میں اضافہ کرنے کے لیے مسلمانوں کے علمی مراکز، بصرہ، بغداد، ہمدان، اصفہان اور دمشق کا رخ کیا اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کی پورے جوش اور ولولہ کے ساتھ کوشش کی۔ مدینہ میں حصول تعلیم کے دوران ہمیشہ معاشرتی اور مذہبی امور کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے، باہر کے طلباء اور زائرین سے بھی ملاقاتیں کرتے۔ اس طرح دیکھا جائے تو محمد بن عبدالوہاب کا مدینہ میں قیام خصوصی اہمیت رکھتا ہے اس کی وجہ سے ان کی صلاحیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ اہم شخصیات سے ملاقاتوں اور استفادہ کے علاوہ انھوں نے مشائی فلاسفی اور تصوف کا مطالعہ بھی کیا۔[۱۰] مدینہ اور دمشق کے قیام کے دوران ابن تیمیہ کے نظریات سے واقفیت حاصل کی اور ان کے شاگرد ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کی تالیفات بھی ان کے مطالعہ میں آئیں۔[۱۱] دانشوروں کا بالعموم اس بات پر اتفاق ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نے ابن تیمیہ کے اثرات قبول کیے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس بات پر سخت تنقید کی عہد وسطیٰ کی تفاسیر کو آنکھ بند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے قبول کر لیا جائے اور اجتہاد پر زور دیا جائے ۔ محمد بن عبدالوہاب نے ابن تیمیہ کی تصانیف کے ان مخطوطات کی نقل تیار کی جو لندن کے برٹش میوزیم میں موجود تھے[۱۲] اس سے ابن تیمیہ کے سمجھنے میں انھیں بہت مدد ملی ۔ اور ان کے اندر ایک زبردست تبدیلی آئی اسی کے بعد احیاء دین کی تحریک کی زمام انھوں نے اپنے ہاتھوں میں لی ۔

ابن تیمیہ کے خیالات کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ان کی علمیت کی بنیادی خصوصیات واضح ہوتی ہیں ۔ اس سے خدا کی وحدانیت اور دعوتی مشن کی اہمیت میں ان کا غیر متزلزل یقین ظاہر ہوتا ہے ان کے خیال میں یہ دونوں رخ مربوط ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی ذات وصفات سے جہاں بحث کرتا ہے[۱۳] وہیں اپنی مرضی کے مطابق انسانی اعمال کی نشاندہی بھی کرتا ہے[۱۴] ابن تیمیہ کی تحریریں خدا کی عظمت منظر عام پر لاتی ہیں اور صفات باری تعالیٰ کی وضاحت کرتی ہیں کہ وہ تمام چیزوں سے برتر، اعلیٰ اور حاکم ہے ۔ اس کی ہر بات برحق ہے ۔ ایک مومن کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی عبادت کے ذریعہ خدا سے براہ راست تعلق پیدا کرے ۔

ابن تیمیہ نے قرآن اور حدیث میں باہمی ربط دکھاتے ہوئے قرآن کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے اور ایک اہم پہلو پر روشنی ڈالی ہے وہ اپنے مطالعہ کی روشنی میں کہتے ہیں کہ وحی ناقابل فہم نہیں ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ اگر کسی خاص نص سے ایک بات کی وضاحت نہ ہو سکے تو اور دوسرے نصوص سے اس پر مکمل روشنی پڑتی ہے ۔ انھوں نے حدیث کے باب میں بھی بڑی وضاحت سے کام لیا ہے ۔ قرآن کی طرح حدیث کو بھی وہ سند تسلیم کرتے ہیں اور انھوں نے بنی نوع انسان کی تمام حیات کو اسی روشنی میں دیکھا ہے قرآن وحدیث میں صفات باری تعالیٰ مشترک بیان ہوئے ہیں انھوں نے وحی کے مفہوم کو قرآن اور مستند احادیث کے مابین مشترک قرار دیا ہے[۱۴] انھوں نے سرچشمہ وحی کی طرف لوٹنے پر زور دیا ہے جو قرآن وحدیث میں مجسم موجود ہے ۔ انھوں نے تقلید اور گزشتہ فلسفیوں اور صوفیوں کی اتباع سے احتراز کی تلقین کرتے ہوئے نہایت کھلے انداز میں حقیقی راستے پر چلنے کے لیے زور دیا ہے ۔

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے تصور توحید کے مابین ایک منطقی مماثلت پائی جاتی ہے، محمد بن عبدالوہاب نے اپنی تالیف "کتاب التوحید" میں ابن تیمیہ کے افکار وخیالات سے کافی استفادہ کیا ہے جو قرآن وسنت پر مبنی ہیں[۱۵] قرآن وحدیث کی تمام باتوں کو انھوں نے ایک دانشور کے بجائے ایک مذہبی رہنما کی حیثیت سے پیش کیا ہے[۱۶] محمد بن عبدالوہاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنی تحریر میں یہ دکھایا ہے کہ خالق صرف خدا ہے، وہی قادر مطلق اور حاضر و ناظر ہے وہ خدا کی ماورائیت پر زور دیتے ہیں، بنی نوع انسان کا اسے حاکم حقیقی گردانتے ہیں، اسلام کے ان بنیادی خیالات پر مستحکم دلائل پیش کرتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں[۱۸] ان کی تمام تحریریں حقیقی اسلام کی طرف بلاتی ہیں اور دوسری تمام غیر اسلامی سرگرمیوں سے قطع تعلق کی تاکید کرتی ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کا بنیادی رجحان قرآن و سنت کے باب میں یکساں ہے، ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ قرآن سے حدیث کو منفک نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ وحی الٰہی کے منشا کو ظاہر کرتی ہے۔ حنبلی اسکول میں قرآن کی طرح حدیث کا بھی اہم مقام ہے۔ ابن تیمیہ اس بات سے متفق ہیں کہ فقہ میں حدیث کو اہم مقام دینا چاہئے۔ کیونکہ فہم قرآن میں اسے کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ مستند سنت کبھی حدیث سے مختلف نہیں ہوتی[۱۸] علامہ ذہبی نے حدیث کے باب میں ان کی علمیت اور عمیق النظری کا اعتراف کیا ہے ان کے خیال میں ابن تیمیہ نے مستند احادیث اور پچھلے ائمہ کی حمایت میں ایسے دلائل پیش کیے ہیں کہ اس حقیقت تک رسائی پہلے کسی کی نہیں ہوئی۔[۱۹] یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن تیمیہ حدیث کو قرآن کا ترجمان تصور کرتے ہیں اور فقہ اسلام کے ماخذ میں حدیث کو ایک اہم مقام دیتے ہیں اور دوسرے کسی اور ماخذ کو تسلیم نہیں کرتے الا آنکہ وہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ ہو۔

یہی افکار و خیالات محمد بن عبدالوہاب کی تحریروں میں نظر آتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد کو اسلام کا عہد زریں سے تعبیر کیا ہے، اس عہد میں صرف قرآن و حدیث کو ہر معاملے میں سند تصور کیا جاتا تھا۔ قرآن و سنت کے اصولوں سے انحراف کو شرک اور صریح بدعت قرار دیتے ہوئے ان کی شدید مذمت کی ہے۔ انھوں نے روایات اور تفاسیر کی تصوراتی تعبیروں پر بھی سخت تنقید کی ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نے مستند احادیث کو شریعت کے لیے ضروری قرار دیا ہے کیونکہ حدیث قرآن کی شرح ہے، اسی لیے فقہ میں حدیث کو دوسرا درجہ حاصل ہے، یہ خیال ان کے روحانی استاذ ابن تیمیہ کے انداز فکر کے عین مطابق ہے[۲۰]

ابن تیمیہ اشاعرہ کے علم کلام (کے مخالف نظر آتے ہیں) جیسے اپنے وحدت الوجودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملی۔ اس کے اثرات سے فقہ اسلامی بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ یہ چیز ایمان کے منافی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرے کی زیارت کو ایک مذہبی حیثیت دی جائے، جیسے مسلمان عام طور پر حج کا ایک تکمیلی مرحلہ تصور کرتے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب نے مسلم فلسفیوں پر بھی تنقید کی ہے۔ غزالی پر عقل کے استعمال کی وجہ سے تنقید نہیں کرتے [۲۱] بلکہ اس لیے کہ وہ دین اسلام کے ساتھ یونانی عقلیت پسندی پر بھی زور دیتے ہیں یہ ابن تیمیہ کے اس نظریہ کے بالکل برعکس ہے کہ کوئی فلسفہ اور منطق خدا کی اصلیت و حقیقت نہیں پیش کر سکتی بلکہ یہ قرآن وسنت کی صحیح فہم صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی توضیحات سے جو وحی کی بخوبی تشریح کرتی ہی جانی جا سکتی ہیں، اس طرح وہ اسلام کی روح کو برقرار رکھ کر قرآن وسنت کی بالادستی کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔[۲۲]

ابن تیمیہ کے مذکورہ بالا نظریات کے پیش نظر محمد بن عبدالوہاب نے بڑے واضح انداز میں علم کلام اور فلسفہ پر تنقید کی ہے، کیونکہ یہ چیزیں ان کے خیال میں قرآن سے متضاد ہیں، انھوں نے ان صوفیوں اور فلسفیوں پر بھی تنقید کی ہے جو احکام شریعت کی عقلی تشریح کرنا چاہتے ہیں، اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ چیز وحی قرآن کے علی الرغم ہے۔ محمد بن عبدالوہاب کٹر سنی ہیں ان کا خیال ہے کہ فلاسفہ کا مکمل انحصار عقلی توجیہہ پر ہے اور اسی سبب سے وہ وحی کو چیلنج کرتے ہیں اور اسے عقل کے بالمقابل ثانوی درجہ دیتے ہیں۔ ابن تیمیہ ہر طرح سے اسلام کی فلسفیانہ تشریح کو رد کرتے ہیں، فقہ کے باب میں وہ تخلیقی تشریح پر زور دیتے ہیں جو کلی طور سے قرآن وسنت پر مبنی ہو۔[۲۳]

ابن عبدالوہاب کو اس بات پر قلق تھا کہ عرب صوفیا، مقابر اور مزارات سے گہری عقیدت رکھتے ہیں اور مقدس اشجار واحجار اور وہاں کے نیاز فاتحہ کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے کہ یہ دور جاہلیت کی ایک علامت ہے جو لوگوں کو حقیقی اسلام سے ہٹا کر تاریکیوں میں لے جانا چاہتی ہے۔[۲۴] محمد بن عبدالوہاب ان باتوں کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور مختلف طریقوں سے ثابت کرتے ہیں کہ عبادت صرف خدا کی ہونی چاہیے وہ خدا کی حاکمیت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر زور دیتے ہیں جو رسوم ورواج سے میل نہیں کھاتے۔ صوفیوں کے خیال میں مردوں کی قبروں کی زیارت سے نصرت الٰہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے مقدمہ میں قبروں کی زیارت پر تنقید کی ہے اور صوفیوں کے اس عمل کے خلاف شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا ہے۔[۲۵]

ابن تیمیہ ہی کے طرز پر محمد بن عبدالوہاب نے لوگوں کو قرآن کریم اور سنت نبوی کی تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی ہے۔

نظریۂ تقلید کے انکار کے ساتھ ابن تیمیہ نے "اجماع" کو بحیثیت تیسرے ماخذ کے فقہ اسلامی میں بہت کم درجہ دیا ہے، عہد وسطیٰ کے علمار کرام نے مسلم سوسائٹی میں اجماع کی بنیاد پر قانون کو تسلیم کیا ہے۔ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ اجماع کو بھی اصل قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ علمار اسلام کثیر التعداد ہیں اور مسلمان جغرافیائی طور پر منتشر ہیں۔ اس لیے انھوں نے اجماع کی تعریف میں کسی بھی زمانے کے علمار کے متفقہ اور غیر مشروط فیصلہ کو شامل کیا ہے[۲۶]۔

اجماع کی صحت کی ایک اور شرط یہ ہے کہ یہ مستند احادیث کی نص سے تطابق رکھتا ہو، جس سے کم از کم کچھ علمار واقف ہوں، بہرصورت اجماع کو نص کے خلاف نہیں ہونا چاہیے وہ اجماع کو نص پر ترجیح دینے کے سخت مخالف ہیں۔ ابن تیمیہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اجماع کے سامنے نص کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نص اجماع کو منسوخ کر سکتا ہے۔ ایک نص دوسرے نص سے منسوخ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ناسخ قوی ہو۔ اجماع قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوتا ہے اس لیے قرآن وحدیث پر اسے فوقیت نہیں دی جا سکتی[۲۷]۔

اجماع کے باب میں محمد بن عبدالوہاب کا خیال ہے کہ یہ سنت کے خلاف ہے[۲۸]۔ اجماع کے تئیں محمد بن عبدالوہاب کا نقطۂ نظر ابن تیمیہ کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے، اسے انھوں نے صوفیوں کا عمل قرار دیا ہے۔ جسے انھوں نے بڑی دانشمندی سے آگے بڑھایا اور وہ عہد وسطیٰ کے اسلام کا ایک حصہ بن گیا۔ گزشتہ نسل کے طریقوں کے مطابق عہد وسطیٰ کے سلاطین کو پیچھے لوٹنا ضروری تھا[۲۹]۔ انھوں نے متقدمین فقہاء کے اجماع کو واضح طور پر رد کر دیا ہے اور دو چیزوں کو معیار قرار دیا ہے قرآن وسنت نبوی اور اسی کے ساتھ تعامل صحابہ کرام بھی۔

ابن تیمیہ تمام مقلدین کے مخالف نظر آتے ہیں۔ وہ اجتہاد پر خاص زور دیتے ہیں اس لیے کہ یہی صرف ایک موثر ذریعہ ہے جس سے نئے اسلامی قوانین اخذ کیے جا سکتے ہیں، وہ مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ وہ خود غور وخوض سے کام لیں نہ یہ کہ دوسروں کے خیالات کو آنکھ بند کر کے قبول کرتے چلے جائیں[۳۰]۔ اجتہاد علمار کرام کی قدامت پرستی ختم کر کے فقہ اسلامی کے لیے ایک نیا دروازہ کھولتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اپنی پوری زندگی سماجی مسائل سے متعلق فتویٰ نویسی میں صرف کر دی۔ یہ فتاوے اجتہاد کی بنیاد پر ہیں۔ ان کی فکر سماجی مسائل پر مرکوز تھی اور اسی سے انھیں عصری مسائل کے بارے میں غور وفکر کی تحریک پیدا ہوئی۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اجتہادی کوشش کے نتیجہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں بہت سے احکام منظر عام پر آئے اور معاشرہ میں تبدیلی رونما ہوئی، مزید برآں اسلامی فقہ کے ذریعہ نئے معاشرتی اور مذہبی مسائل کا حل سامنے آیا۔

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کا یہ خیال ہے کہ تمام مسلم دانشور اور علماء کو اپنی تعلیم وحکمت کی روشنی میں یہ حق انھیں حاصل ہے کہ نت نئے مسائل کا حل قرآن وسنت سے پیش کریں[۳۹] انھوں نے اس امر کی سخت مخالفت کی ہے کہ ماضی کے دانشوروں کی اندھی تقلید کی جائے، ان کے خیال میں مذہب کی ترجمانی وتشریح کسی خاص طبقہ کی اجارہ داری نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو انفرادی فیصلہ کی قوت رکھتا ہو اور کسی مذہبی رہنما کے فیصلہ پر اعتماد کی ضرورت محسوس نہ کرے اسے مجتہد کہا جاتا ہے۔ ہر شخص اجتہاد کا مجاز نہیں ہو سکتا ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کا کہنا ہے کہ مجتہدین کی صف میں شامل ہونے کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن وسنت کے مطالعہ میں وقف کر دے۔ عربی زبان کی باریکیوں اور اس کے علاوہ ناسخ ومنسوخ کے مسائل پر اس کی گہری نظر ہو۔

یہ بات حد درجہ حیرت انگیز ہے کہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین قیاس کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں۔ قیاس سے اسلامی فقہ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے، وہ صرف قرآن وحدیث کو اسلامی فقہ کا اصل ماخذ قرار دیتے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب کے پیروکار قرآن وحدیث کی نص کی اتباع پر زور دیتے ہیں۔ جس کے سبب انھیں قدامت پسندوں اور ظاہر بینوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان مسائل کے حل کے لیے جن کی وضاحت قرآن وحدیث سے نہیں ہوتی وہ قیاس کے بجائے اجتہاد کا سہارا لیتے ہیں وہ نص کی تشریح وترجمانی کے لیے لوگوں کو آزادی دیتے ہیں اور اس قیاس کا سہارا لینے پر زور نہیں دیتے جیسے عہد وسطیٰ کے فقہاء نے ترقی دی تھی۔ اس وقت کے فقہاء نے زیادہ تر قیاس پر انحصار کیا گرچہ اس سے فقہ کی ترجمانی کا محدود مقصد پورا ہوا۔ لیکن اس سے وسعت کے بجائے اور پابندیاں عائد ہوئیں[۴۰] علماء کرام نے قیاس کی اصل کو تسلیم کیا اور نص کی روح کے بجائے ہمیشہ اس کے ظاہری معنی پر زور دیا۔

"اسلام" کے مصنف فضل الرحمن کا کہنا ہے کہ قیاس کو قرآن وسنت کی روشنی میں نہایت آزادی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عہد وسطیٰ کے علماء نے اس کے دائرۂ عمل کو بہت محدود کر دیا ہے گرچہ محمد بن عبدالوہاب نص کی اتباع کے باب میں بنیاد پرست اور اس کے ظاہری مفہوم پر شدت سے عمل کرنے والے تھے لیکن علماء کے قیاس کے مقابلے میں اجتہاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے استعمال میں بہت زیادہ وسیع النظر تھے[۳۳] مغربی علماء کے نزدیک نظریۂ اجتہاد نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ پروفیسر جان وال اپنی کتاب Islam Continuity and Change in Modern world میں رقمطراز ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب کے مخصوص تصور اجتہاد سے ایسے خیالات کی عکاسی ہوتی ہے جنھیں روایتی بنیاد پرستی اور اٹھارھویں صدی کے سماجی اور اخلاقی تشکیلِ نو کا ایک حصہ سمجھا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہی منفرد تصورِ اجتہاد اس تحریک کو اسلام کے قدامت پرستانہ انداز سے ممتاز و ممیز کرتا ہے۔

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب دونوں ہی ان روایتی علماء کی تنقید کا سخت نشانہ بنے جن کا خیال ہے کہ انھوں نے ماضی کے تمام مکاتب فکر کی مخالفت کی ہے۔ اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے دونوں مفکرین نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ ان کے خیالات حنبلی فقہ سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں اور کس طرح وہ دیگر مذاہب کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ البتہ وہ اسے صحیح نہیں سمجھتے کہ قدیم علماء کے کاموں کو قرآن وسنت کے مساوی گردانا جائے وہ ان تمام قوانین کی چھان بین کرنا چاہتے ہیں جو تقلید کے راستے سے آئے ہیں[۳۵] بلا شبہ وہ اجتہاد کے حامی ہیں لیکن اس معاملہ میں انھوں نے امام حنبل کی اتباع کی ہے اور ان کا طریقہ اختیار کیا ہے[۳۶] اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلی طور پر اجتہاد کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کرتے لیکن خاص مواقع پر وہ اجتہاد کی اہمیت کے قائل نظر آتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا دوسرا اہم پہلو تصور جہاد ہے وہ توحیدی دینیات پر خاص زور دیتے ہیں جو ابن تیمیہ کے افکار کا ایک حصہ تھا، ان کا تصور وحدانیت دراصل صوفیوں کے اس نظریہ کے ردعمل میں ہے کہ خدا کے تقرب کے حصول کے لیے وہ ایک پیغمبر، ایک ولی اور کبھی ایک درخت اور ایک مقبرہ کو اپنا سفارشی تصور کرتے ہیں[۳۷] محمد بن عبدالوہاب نے بانگ دہل اولیاء پرستی کو بتوں کی پوجا سے بھی زیادہ برا کام قرار دیا ہے، دراصل ایک سچے مسلمان کا طرز عمل مثالی زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف تصوف، یونانی فلسفہ اور دینی مناظروں کو رد کرتے ہیں بلکہ وہ قبائلی نظام کے بھی مخالف ہیں۔ وہ لوگوں کو شریعت سے قریب کرنا چاہتے ہیں تاکہ خالص اسلامی طرز زندگی رواج پائے، محمد بن عبدالوہاب کی نشوونما اٹھارویں صدی میں جزیرہ نمائے عرب میں ہوئی اور ابن تیمیہ کے افکار کا مطالعہ کرنے سے ان کے اندر ایک فکری بلندی پیدا ہوئی۔ انھوں نے مغربیت کے خطرات کی نشاندھی پر اپنی توجہ مرکوز کرنے سے زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احیاء اسلام کے لیے تصور توحید کی مرکزیت و وسعت کی اہمیت کو واضح کیا مسلمانوں کے عقائد اور زندگیوں کو مستحکم کرنے کے لیے انھوں نے وحدانیت اور اتحاد امت مسلمہ پر زور دیا۔[۳۹]

اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے محمد بن عبدالوہاب نے سلطنت عثمانی کے زوال آمادہ نظم و نسق پر بڑے زبردست حملے کیے اور یہ خیال ظاہر کیا کہ سلطان نے جس اسلام کی محافظت کی وہ حقیقی اسلام نہیں ہے اس لیے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے لیے امت مسلمہ کے خلیفہ کا لقب استعمال کریں۔[۴۰] محمد بن سعود کی سلطنت نے ان کے اسلامی ریاست کے تصور کی حمایت کی۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام پر محمد بن عبدالوہاب اور ابن سعود کے سیاسی اور مذہبی افکار و خیالات میں ہم آہنگی پیدا ہوئی، اس طرح مشرقی عرب کے مرکز میں ایک ریاست کو استحکام ملا۔ انھوں نے اسلامی شریعت کے سیاق و سباق میں ایک ریاست کا خاکہ تیار کیا جس کی مشاورتی کونسل میں راسخ العقیدہ لوگوں اور عوام دونوں ہی شامل تھے۔[۴۱] اس طرح ان لوگوں نے قرآنی تعلیم کی اتباع کرتے ہوئے اپنے تمام معاشرتی، معاشی اور تعلیمی مسائل کو جماعتی زندگی کے طرز پر حل کیا اور امت مسلمہ کے اتحاد کو قرآن کی روشنی میں برقرار رکھا۔ اس حیثیت سے کہ ہمارے اوپر خدا کی پوری حاکمیت ہے۔[۴۲]

ابن تیمیہ کے سماجی اور مذہبی افکار کی روشنی میں محمد بن عبدالوہاب کی دعوت فکر نے ایسی موثر قوت پیدا کی جس کی وجہ سے عثمانی ترکوں کے لادینی نظام کو تبدیل کرنا آسان ہوگیا فکری ہم آہنگی کا یہ عہد جزیرہ نمائے عرب کے سماجی اور مذہبی انحطاط سے متعلق تھا جس نے انھیں مکمل اصلاح کی طرف مائل کر دیا۔ ابن تیمیہ کے خواب ان کے روحانی شاگردوں کے ہاتھوں شرمندۂ تعبیر ہو لے۔ محمد بن عبدالوہاب کو صرف ارباب اقتدار ہی کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے پریشانیوں کا سامنا کرنا نہیں پڑا بلکہ اس کے کے علماء سے بھی جنگیں لڑنی پڑیں۔ کیونکہ یہ لوگ اسلامی خلافت کے نمائندے کی حیثیت سے عثمانیوں کی ہمنوائی کر رہے تھے۔ ان کی رائے میں خلیفہ نہ ہونے سے ایک خلیفہ کا ہونا بہتر ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ برسر اقتدار عثمانی علماء کا تعلق حنفی فقہ سے تھا اور محمد بن عبدالوہاب کا حنبلی فقہ سے، اس وجہ سے بھی ان علماء نے ان کے خیالات کی مخالفت شروع کر دی۔

انیسویں اور بیسویں صدی کے علماء نے وہابی تحریک کا زبردست استقبال کیا اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ قرآن و حدیث اور نظریۂ اجتہاد پر اس تحریک نے کافی زور دیا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا سب سے پہلا اقدام معاشرہ سے اوہام پرستی کو فنا کرنا تھا۔ پروفیسر جان وال نے بالکل سچ کہا ہے کہ وہابی تحریک بنیاد پرستی کا پہلا نمونہ ہے۔ یہ تحریک بیسویں صدی کی اسلامی تحریکات کا ایک حصہ ہے[۴۲] ان خیالات کو گلے لگانے سے مسلم علاقوں میں متعدد تحریکیں رو بعمل آئیں۔ برصغیر ہند میں پہلی بار ۱۹۰۴ء میں وہابی تحریک کی موجودگی کا پتہ چلا۔ جس کی ابتدا موجودہ بنگلہ دیش کے ضلع فرید پور میں حاجی شریعت اللہ (۱۷۰۲ء-۱۷۷۰ء) کی قیادت میں ہوئی۔ شروع کے بیس سال تک ان کا قیام مکہ مکرمہ میں رہا۔ اس کے بعد وہ ہندوستان آئے اور انھوں نے فرائضی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ شریعت اللہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا کیونکہ یہ انگریزوں کے زیر اقتدار تھا۔ انھوں نے شمال مغربی علاقہ سے بنگال تک اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے کوشش کی۔ وہابی تحریک نے بڑے پیمانے پر غربا، اور متوسط طبقہ کی حمایت حاصل کی[۴۳]

بیسویں صدی کے ہندوستان میں سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ - ۱۸۹۸) ایک حریت پسند مفکر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے وہ عصر حاضر کے جدید ترین مکتب فکر کے بانی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ از سر نو اجتہاد کی شدید ضرورت ہے۔ ان کی رائے میں عہد وسطیٰ کے علماء کی اتباع کسی ایسے شخص کے لیے مناسب نہیں جو آزادانہ فیصلہ کی قوت رکھتا ہو۔ سچائی تو یہ ہے کہ قرآن وسنت کو بنیاد بنایا جائے کیونکہ یہی بنیادی مآخذ ہیں۔ چہ جائیکہ دسویں صدی کے فقہاء کے خیالات پر انحصار کیا جائے۔ انھوں نے اپنے آپ کو ایک وہابی کی حیثیت سے پیش کیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ وہابیوں سے اپنے آپ کو منسوب کرنا ایک جرأت مندانہ اظہار حقیقت ہے[۴۴]

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیسویں صدی کے عظیم مفکر مولانا مودودیؒ (۱۹۰۳ - ۷۹ ۱۹ء) کے اسلامی نظریات مجموعی حیثیت سے ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ مولانا مودودی نے اپنی کتاب "تجدید واحیائے دین" میں اجتہاد پر خاص زور دیا ہے۔ ابن تیمیہ کے نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے انھوں نے تصوف پر سخت تنقید کی[۴۵] محمد بن عبدالوہاب کی طرح مولانا مودودیؒ کو بھی تصوف میں کوئی افادیت نظر نہیں آتی، کسی عہد میں بھی عرب میں تصوف کی جلوہ نمائی نہیں ہوسکی۔ تصوف ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب کی روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ابن تیمیہؒ اور مولانا مودودیؒ کے نظریات میں کافی حد تک یکسانیت ہے، کیونکہ دونوں ہی خالص اسلامی طرز زندگی کے

© rasailojaraid.com

نفاذ کے لیے کوشاں تھے۔

ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے نظریات دنیائے عرب کے مختلف حصوں تک پہنچے انیسویں صدی کے مصری مفکر اور مصلح محمد عبدہٗ (۱۸۴۹ - ۱۹۰۵ء) نے مصر میں سلفی تحریک کا آغاز کیا جس کی بنیاد وحدانیت پر قائم تھی۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ بات ابھی تک زیر غور ہے کیا وہ حقیقۃً محمد بن عبدالوہاب کے نظریات سے متاثر تھے[۴۶]۔ محمد عبدہٗ نے محمد بن عبدالوہاب کی تعریف اور ان کے حریفوں کی مذمت کی ہے۔ انھوں نے جامعہ الازہر میں اپنے لکچر کے دوران صراحتاً بیان کیا کہ محمد بن عبدالوہاب کو ابن سعود کی تلوار کی حمایت حاصل تھی شیخ محمد عبدہٗ کے حامی مصر کے کچھ روشن خیال حضرات تھے۔ محمد عبدہٗ کے پیروکار بلاشبہہ عملی طور پر وہابی کہے جاسکتے ہیں گرچہ انھوں نے اپنے لیے یہ لقب اختیار نہیں کیا[۴۷]۔

سلفیہ تحریک کے ترجمان رسالہ "المنار" کے ایڈیٹر محمد رشید رضا (۱۹۳۵ - ۱۹۵۵ء) نے پر زور لفظوں میں یہ خیال ظاہر کیا کہ "المنار" نہ تو کسی فقہی اسکول کا حامی ہے اور نہ کسی جماعت ہی کا پیرو دیہ صرف قرآن وحدیث کے گہرے تعلق پر زور دیتا ہے، اس سے صاف طور پر ان دونوں کے فکری مآخذ کی یکسانیت ظاہر ہوتی ہے۔ سلفیہ تحریک کا اثر مصری "اخوان المسلمین" نامی تحریک کی صورت میں بھی نمایاں ہوا جس کے بانی مشہور مصری عالم حسن البنا شہیدؒ تھے۔ جنھیں روحانی فکر ان ہی سے ملی۔ دراصل ان لوگوں کے اندر جو جذبات وخیالات کارفرما تھے وہ ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے افکار کا پرتو تھا[۴۸]۔ یہ بات حقیقت سے خالی نہیں کہ ہندستان پاکستان، شمالی افریقہ، یمن، سوڈان اور زنجبار کے معاصر مفکرین سید احمد بریلوی[۴۹] (۱۸۳۱ - ۱۷۸۶ء) محمد بن السنوسی (۱۸۵۹ - ۱۷۸۷ء) اور امام محمد بن علی الشوکانی (۱۷۵۹ - ۱۸۳۴ء) کسی حد تک احیاء دین کا کام کرنے والی اسی عظیم تحریک سے منسلک تھے اور اپنے خیالات میں سارے مفکرین انھیں دونوں عظیم مفکرین اسلام سے متاثر نظر آرہے ہیں[۵۰]۔ اس طرح وہابی تحریک نے اپنے معاصر مسلمانوں کے افکار پر نہایت گہرے اثرات ڈالے ہیں ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے نظریات میں مماثلت کے باوجود دونوں کے درمیان بعض خیالات اور مسائل کے عملی حل میں کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ ایک عظیم دانشور دینی عالم، مصنف اور مذہبی رہنما تھے۔ ان کی موثر تحریروں نے اس وقت ایک فکری انقلاب برپا کیا اور آج تک اس کے اثرات باقی ہیں وہ ایک سماجی مصلح اور سیاسی مفکر تھے جنھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی ریاست کا ایک واضح خاکہ بھی پیش کیا وہ نہ صرف حکومت سے برسرپیکار رہوئے اور ایک طویل عرصہ تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہے اور وہیں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ بلکہ انھوں نے تصوف، شیعیت، علماء فلاسفہ کا مقابلہ کیا اور مسلم ملکوں پر یورش کرنے والے تاتاریوں کے خلاف بھی محاذ آرائی کی۔ ان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ رہی کہ اپنے نظریات کے اثرات کا مشاہدہ نہ کرسکے۔ اس لیے کہ ریاست کے قائدین نے انھیں ابھرنے نہیں دیا اور اس وجہ سے بھی کہ ان میں سیاسی سوجھ بوجھ کی شاید کمی بھی تھی۔[۵۱] دوسرے محمد بن عبدالوہاب اصلاً ایک دینی رہنما تھے، نہ کہ ایک ذہین دانشور اور صاحب قلم وہ اپنی طبعی اور اخلاقی قوت اور قائدانہ صلاحیت کے ذریعہ محمد بن سعود اور قبائلی لوگوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے۔ جس کی وجہ سے اسلامی ریاست کے قیام کا موقع ملا۔ اس نئی ریاست کا انحصار جماعتی یا گروہی طرز فکر پر تھا۔ یہ نہ تو اسلامی نقطۂ نظر سے میل کھاتا تھا اور نہ جدید سائنسی معاشرہ ہی سے۔ اس لیے کہ عملی طور پر اس وقت اسلام کے سیاسی، معاشی اور تجارتی امور میں انقلابی ترقی کی بہت کمی تھی۔[۵۲]

تاریخ کا طالب علم ہمیشہ اہم تاریخی چیزوں اور تاریخی خیالات کے باب میں ہر اس ماخذ کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے جہاں تک رسائی ممکن ہو۔ ایسے ہی ہر ممکنہ کوشش وہابی تحریک کے ارتقاء کی وضاحت میں کی گئی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حنبلی اسکول نے اپنے سارے فقہی تصورات ابن تیمیہ سے اخذ کیے[۵۳] لیکن خود ابن تیمیہ کو ظالم حکومت کے سخت رویّے کی وجہ سے اپنے خیالات کے اظہار کے مواقع کم ملے۔ اس لیے انھوں نے اپنی ذہانت اور علمی گہرائی کا مظاہرہ اپنی تحریروں کے ذریعہ کیا۔ ابن تیمیہ کے ان علمی کارناموں کے باوجود صرف چند علماء نے ایک مسلم عالم دین، دانشور اور فقیہہ کی حیثیت سے ان کا گہرا مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان میں ان کے شاگرد ابن قیم اور متبعین میں محمد بن عبدالوہاب شامل ہیں جنھوں نے ان کے افکار کو عملی جامہ پہنایا۔[۵۴]

تیرھویں صدی میں ابن تیمیہ کے خیالات نہ صرف محمد بن عبدالوہاب کی تخلیقی تحریک کا ایک جز ہیں۔ بلکہ ان کی وجہ سے اس میں ایک ایسی طاقت وقوت پیدا ہوگئی جس کی بدولت محمد بن عبدالوہاب احیاء دین کے لیے کمربستہ ہوئے اور پھر اٹھارہویں صدی میں ایک طاقتور مسلم حکومت (سلطنت عثمانیہ) کے خلاف جزیرہ نمائے عرب میں سینہ سپر ہوگئے۔ یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد حیات السندھی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو محمد بن عبد الوہاب کے حدیث کے استاذ تھے، انھوں نے محمد بن عبد الوہاب کے اندر مسلم معاشرہ کی اصلاح کا جذبہ پیدا کیا۔ بہر حال اس میں خاص عمل دخل ابن عبد الوہاب کا ہے، جنھوں نے اس مقصد کو روبعمل لانے کے لیے ایک موثر تحریک کی بنیاد ڈالی۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب کے خیالات میں کافی حد تک ہم آہنگی ہے، دونوں ہی قرآن کریم اور مستند احادیث کی جانب رجوع پر زور دیتے ہیں اور روایت پرستی سے انحراف کی دعوت دیتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن عبد الوہاب دونوں ہی کے یہاں اجتہاد کی اہمیت و ضرورت مسلم ہے۔ ان لوگوں کو جن کا یہ خیال ہے کہ وہابی تحریک دوسری تمام اصلاحی تحریکوں کے قیام کا سبب بنی یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی راہیں ابن تیمیہ نے ہموار کی ہیں اس لیے ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب کی زندگی کا ہوشمندانہ تجزیہ کیے بغیر وہابی تحریک یا کسی دوسری اصلاحی تحریک کا شعور حاصل کرنا صحیح معنوں میں ممکن نہیں خواہ وہ تاریخ کے کسی دور سے تعلق رکھتی ہو۔

حوالے اور حواشی

(۱) فضل الرحمن، اسلام، شکاگو یونیورسٹی، ۱۹۷۹ء، ص ۱۹۶

(2) Muinuddin Ahmad Khan "A Diplomat's Report on Wahabism of Arabia" Islamic studies, 7 (1968, No 1) P.34

نیز دیکھیے محمد بن احمد بن سلیمان سلمانی، دعوۃ الشیخ محمد بن عبد الوہاب واثرہ فی العالم الاسلامی، الشرق الاوسط ۸ راکتوبر ۱۹۸۶ء ص ۱۶

(3) Victor E. Makari, Ibn Taymiyyah's Ethics: The social Factor (Clifornia scholars Press, 1983) P.P. 21-22.

(۴) ایضاً

(5) Syed Abul ala Maududi, A short History of the Islamic Revivalist Moevement in Islam (تجدید واحیاء دین) (Lahore Islamic Publications Ltd) P.P. 62-64

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶ مکی، محولہ بالا، ص ۱۸۱

(7) M.S. Zahaddin "Wahabism and its Influence out side Arabia," Islamic Quarterly, 23-24 (1979-80) P.146

(8) John voll, "Mohd Hayya Al Sindi and Mohd Ibn' Abdal, Wahab. An Analysis of on intellectuals Group in eighteen Century Madina," School of Oriental and a pricon studies Bulletin" 38 (1975) PP 32-33 and Zoharuddin, Op. cit, P. 147

۹ جان وال، محولہ بالا، ص ۳۷-۳۹
۱۰ ایضاً ص ۳۵
۱۱ معین الدین احمد خان، محولہ بالا، ص ۳۵
۱۲ مکی، محولہ بالا، ص ۱۹۰
۱۳ ایضاً ص ۱۲۷-۱۲۸
۱۴ ایضاً، ص ۹۷-۹۸
۱۵ محمد بن عبدالوہاب، کتاب التوحید، بیروت، ۱۹۶۹ء، ص ۱۷-۲۵
۱۶ شیخ حفیظ وہاب، عربین ڈیز، لندن ۱۹۶۴ء، ص ۹۶
۱۷ ایضاً، ص ۱۰۰
۱۸ مکی، محولہ بالا، ص ۹۷-۹۸
۱۹ مولانا مودودی، محولہ بالا، ص ۶۶-۶۷
۲۰ شیخ حفیظ وہاب، محولہ بالا ص ۹۹-۱۰۰

(21) Ignoz Goldzihar, Introduction to Islamic Tevlogy and Law (Princetion: Princeton University. Press 1981) PP, 240-41

۲۲ مکی، محولہ بالا، ص ۲۶-۲۷
۲۳ شیخ حفیظ وہاب، ص ۹۵
۲۴ زہر الدین، محولہ بالا، ص ۱۲۷-۱۲۸
۲۵ شیخ حفیظ وہاب، ص ۸۶
۲۶ ابن تیمیہ، الفتاوی الکبری، جلد اول، قاہرہ ۱۹۶۶ء، ص ۲۸۴
۲۷ ابن تیمیہ: معارج الوصول فی ان اصول الدین و فروعہ قد بینۃ الرسول۔ قاہرہ، مطبوعہ سلفیہ ۱۹۶۷-۶۹ء ص ۲۷
۲۸ گولڈزیہر، ص ۲۴۳
۲۹ فضل الرحمٰن، محولہ بالا، ص ۱۹۴
۳۰ مکی، محولہ بالا، ص ۸۷-۹۰

(31) Sheikh Hafiz. Wahab, "Wahabism in Arabia, Past and Present" Royal Central Asim Society 16, (1929) P, 463

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۲ھ فضل الرحمان، ص ۱۹۸ ۳۳ھ ایضاً، ص ۱۹۹

(34) John Obert voll, Islam Continuity and Change in the Modern world (Bovlder: West, view Press, 1982, P. 62

(35) Joseph Scocht, "The School of Law and Later Development of jurisprudence" in Law in the Middle east, Edited by Majid Khadduri and Harbert J Lieberny (Washington D.C. The Middle east Institute, 1955) P.P. 74-75

۳۶ھ جان وال، محولہ بالا، ص ۸۱ ۳۷ھ شیخ حفیظ وہاب، محولہ بالا، ص ۹۱

۳۸ھ مکری، ص ۱۹۱ ۳۹ھ ایضاً ص ۱۹۱

(40) H, St, J. B. Philby "A Survey of Wahabi Arabia "Royel Central Asian Society journal 16 (1929) P.P. 478-79

۴۱ھ زہرالدین، محولہ بالا، ص ۱۴۹-۱۵۰ ۴۲ھ جان وال، ص ۶۲

(43) Aziz Ahmad, An Intellictual History of Islam in India, Islamic Surveys No. 7 (Edinburgh, 1969) P. 10-

گزارش ہے

کہ ادارۂ تحقیق کو سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی' کے حسب ذیل شماروں کی ضرورت ہے جو صاحب ان میں سے جتنے شمارے فراہم کریں گے ۸۸ء میں اسی لحاظ سے ان کی خریداری میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ اگر وہ چاہیں تو ان کی قیمت بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

۱۹۸۲ء (اپریل تا جون) ۱۹۸۳ء (جنوری تا مارچ) (اپریل تا جون) ۱۹۸۴ء (جنوری تا مارچ) (اپریل تا جون) ۱۹۸۵ء (جنوری تا مارچ) ۱۹۸۶ء (جنوری تا مارچ) (اپریل تا جون) (جولائی تا ستمبر)

منیجر سہ ماہی تحقیقات اسلامی - پان والی کوٹھی - دودھ پور - علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

© rasailojaraid.com